محمد سرور

بعثتِ نبویؐ کے وقت عرب کی حالت

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے معانی سمجھنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اُن اُمیّوں (اَن پڑھوں) کے حالات کی تحقیق کرو جن میں کہ آپؐ مبعوث ہوئے۔ اور جن کے حالات مادّہ اور اساس ہیں آپؐ کی شریعت کے۔ اور پھر آپؐ نے تشریع، تیسیر اور احکام ملّت کے مقاصد کے ضمن میں اِن حالات کو جس طرح ٹھیک کیا۔ اُس پر غور کرو۔ یہ گویا تاریخی پس منظر ہے اُن شرائع و قوانین کا، جن کا نفاذ آپؐ نے فرمایا۔ اسی سلسلے میں شاہ صاحب نے یہودیت اور نصرانیت کا بھی ذکر کیا ہے، جو اُس وقت مروّج تھی۔ ایک باب کا عنوان ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور دینِ یہودیت و نصرانیت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اُس کے اسباب کا بیان۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے۔

ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جس قدر انبیا آئے، اُن کا دستور یہ تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً احکام میں کچھ اضافہ ہی کرتے تھے، اُن میں کمی نہیں کرتے تھے۔ وہ اُن میں تبدیلی تو بہت کم کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہب میں مناسک و عبادات میں سے کچھ چیزوں، چند اعمالِ فطرت اور ختنے کا اضافہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملّتِ ابراہیمی کے اندر اور چند اُمور کا اضافہ کیا۔ مثلاً اونٹ کا گوشت حرام قرار دیا۔ یوم السبت (ہفتے کا دن) کا احترام لازم کیا۔ اور زانیوں کی سزا رجم مقرر کی۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن احکام میں اضافہ بھی کیا۔ کمی بھی کی اور تبدیلیاں بھی کیں۔ شریعت کے دقیق اُمور پر غور و خوض کرنے والا جب اس اضافے، کمی اور تبدیلی کی چھان بین کرے گا تو انھیں ان طریقوں پر مبنی پائے گا۔

ایک یہ کہ یہودی مذہب کے اختیارات احبار و رُہبان کے ہاتھوں میں رہے اور انھوں نے اُن طریقوں سے جن کا ذکر اُوپر گذرا ہے اس میں تحریفات کیں۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے انھوں

نے ہر چیز کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا، اسی لیے شریعتِ محمدیہ اس یہودیت سے مختلف ہو گئی جو اس وقت یہودیوں کے ہاں تھی، اسی بنا پر یہودیوں نے یہ کہا کہ اس شریعت میں اضافہ، کمی اور تبدیلی ہوئی ہے، حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

اور ایک یہ کہ آنحضرت صلعم کی بعثت میں ایک اور بعثت بھی شامل تھی۔ ایک بعثت تو یہ تھی کہ آپؐ بنی اسماعیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم۔	وہی خدا ہے جس نے اُمیّوں کے اندر اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لتنذر قوما ما انذر اباءھم فھم غفلون ۔	(اے پیغمبر! تم اس لیے بھیجے گئے ہو) تاکہ تم اُن لوگوں کو ڈراؤ جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

آپؐ کی یہ بعثت اس امر کی مقتضی تھی کہ آپؐ کی شریعت کا مادہ وہی شعائر، وہی عبادات کے طریقے، وہی تدابیرِ معاش ہوں جو بنی اسماعیل میں پہلے سے موجود تھیں کیونکہ شریعت کا مقصد یہی ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس موجود ہے اس کی اصلاح ہو۔ یہ نہیں کہ اُن کو ایسے امور کا مکلف بنایا جائے جن کو وہ سرے سے جانتے ہی نہ ہوں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:۔

قرانا عربیاً لعلکم تعقلون ۔	ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس کو سمجھو۔

نیز ارشاد ہوا ہے:۔

لو جعلناہ قرانا اعجمیاً لقالوا لولا فصلت ایاتہ ءاعجمی وعربی	اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کھول کھول کر بیان نہیں کی گئیں۔ کیا (خوب کہ قرآن تو) عجمی اور مخاطب عجمی۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وما ارسلنا من رسولٍ الا بلسان	ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے، اس کی قوم کی زبان

قومہ۔ والا ہی بھیجا ہے۔

اور آپؐ کی دوسری بعثت تمام اہلِ زمین کے لیے عام ہے اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو ارتفاق رابع یعنی تمدن و عمران اور تدابیر نافعہ معاشرت سے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے آپؐ کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں پہ لعنت بھیجی اور اُن کی سلطنت کے زوال کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ جیسا کہ عجم اور روم کی سلطنتوں کے ساتھ ہوا اور پھر آپؐ کو ارتفاق رابع کے نفاذ کا حکم دیا۔

اور ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ آپؐ ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا مذاہب حقہ محو ہو گئے تھے۔ اُن میں تحریفیں کی جا چکی تھیں۔ تعصب اور کج بحثی کا لوگوں پہ غلبہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے باطل مذہب اور جاہلیت کی عادات کو چھوڑ نہیں سکتے تھے جب تک کہ ان عادات کی نہایت سختی سے مخالفت نہ کی جاتی۔ یہ بات بھی بہت سے اختلافات کا باعث بنی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملّتِ حنیفیہ اسماعیلیہ کی کجی کی اصلاح کے لیے کی۔ تاکہ اس میں جو تحریف ہو گئی تھی، اُس کو دُور کریں اور اُس کی روشنی کو پھیلائیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اسی کی وضاحت کرتا ہے:

مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا ۔ یہ تمھارے دادا ابراہیمؑ کا دین ہے۔

چنانچہ اس صورت میں ضروری ہے کہ اس ملّت کے اُصول لوگوں کے نزدیک مسلّم اور اس کا طریقہ معین ہو اس لیے کہ جب کوئی نبی کسی ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جس میں ہدایت و رشد کے طریقے کے باقی ماندہ آثار ہوں تو انھیں تبدیل کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوتے بلکہ انھیں قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں کے نفوس انھیں اچھی طرح سے قبول کرتے ہیں اور یہ اُن کے خلاف مضبوط حجت ہو سکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسماعیل نے اپنے باپ اسماعیل سے اُن کا طریقہ و منہاج ورثے میں حاصل کیا تھا۔ اور وہ اس شریعت پہ عمل پیرا رہے یہاں تک کہ اُن میں عمرو بن لحی پیدا ہوا اور اس نے اپنی غلط رائے سے اس شریعت میں بہت سی باتیں داخل کر دیں۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور اُس نے بنی اسماعیل میں بت پرستی جاری کر دی ..... اُس وقت سے اِس دین میں خرابی پیدا ہو گئی اور صحیح چیزوں کے ساتھ غلط چیزیں مل گئیں۔ اور لوگوں پہ جہالت شرک اور کفر غالب آ گیا۔ یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اُن کی کجی کو درست اور اُن کی خرابیوں کو ٹھیک کریں۔

چنانچہ آپؒ نے بنی اسماعیل کی شریعت پر غور کیا۔ پس اس میں جو طریقہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے منہاج کے موافق یا اللہ کے شعائر میں سے نظر آیا، اُسے باقی رکھا۔ اور اُن میں سے جس میں تحریف ہوگئی تھی یا خرابی پیدا ہوگئی تھی، یا وہ شرک و کفر کے شعائر میں سے تھا، اُسے مٹا دیا اور اس کے باطل ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ باقی رہے وہ اُمور جن کا تعلق عادات و اطوار میں سے تھا، تو اُن کے آداب و مکروہات بیان کیے تاکہ اُن میں سے جو بُری رسمیں تھیں، اُن سے بچا جائے۔ آپؐ نے بُری رسموں سے منع فرمایا اور صالح رسوم کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ اُمور جو اصلی اور عملی تھے اور زمانۂ فترت میں نبوّت کا سلسلہ بند ہونے کی وجہ سے متروک ہو گئے تھے، اُن کو آپؐ نے نئے سرے سے زندہ کیا اور اس طرح اللہ کی نعمت پوری ہو گئی اور اُس کا دین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا۔

آپؐ کے زمانے میں اہل جاہلیت بعثت انبیا کے قائل تھے . . . . جزا و سزا کو مانتے تھے۔ مختلف انواع کی نیکی کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ارتفاق ثانی و ثالث یعنی نفع بخش معاشی، منزلی، مدنی اور تمدنی تدابیر پر عمل پیرا تھے۔ یہ بات ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے، اُس کے منافی نہیں ہے کہ بنی اسماعیل کے اندر دو گروہ موجود تھے اور اُن کا سکہ چلتا تھا۔ ان میں سے ایک فاسقوں اور زندیقوں کا گروہ تھا۔ جو فاسق تھے۔ یہ ملّتِ اسماعیلیہ کے برخلاف حیوانوں اور درندوں کے سے کام کرتے تھے اس لیے کہ ان کے نفوس خواہشات سے مغلوب تھے اور اُن میں دینداری کم تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو ملّت کے دائرے سے نکل چکے تھے اور اپنے فسق و فجور کا خود اعتراف کرتے تھے۔ اس گروہ میں جو زندیق تھے، وہ جبلی طور پر ناقص الفہم تھے، وہ پوری طرح صاحبِ ملّت کے مقصد کی تحقیق کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ نہ وہ صاحبِ ملت کی تقلید کرتے تھے اور نہ وہ اس کی بتائی ہوئی باتوں کو مانتے تھے۔ یہ لوگ اپنے شکوک میں سرگرداں رہتے تھے اس بنا پر اپنی قوم سے ڈرتے بھی تھے قوم بھی اُن کو بُرا جانتی تھی اور انھیں دین سے خارج سمجھتی تھی کہ انھوں نے اپنی گردنوں سے دین کا پٹہ اتار پھینکا ہے۔ جب کہ اس گروہ کا حال یہ تھا کہ لوگ اُس سے نفرت کرتے اور اسے بُرا جانتے تھے تو اس گروہ کا ملّت سے خارج ہونا چنداں مضرّت رساں نہ تھا۔

ان دو گروہوں میں سے دوسرا گروہ جاہلوں اور غفلت شعاروں کا تھا جنھوں نے دین کی طرف کبھی بھی سر اُٹھا کر نہ دیکھا تھا اور نہ کبھی اس طرف اصلاً التفات کیا تھا۔ اور وہ زیادہ تر قریش اور اُن کے

ارد گرد کے لوگوں میں سے تھے۔ کیونکہ ان کا عہد انبیا سے کافی دور ہو چکا تھا۔ اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے:۔

لتنذر قوماً ما اتاھم من نذیر ۔	تاکہ اے پیغمبر! تو ایسے لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔

لیکن پھر بھی لوگ ملت کے طریقے سے اتنے دور نہ ہوئے تھے کہ اُن کے سامنے دلیل پیش نہ کی جا سکے اور اس طرح انھیں قائل کر کے خاموش نہ کرایا جا سکے۔ ۔ ۔ ۔ اہلِ جاہلیت کے مسلّمہ اصولوں میں سے ایک یہ تھا کہ وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اللہ کا کوئی شریک نہیں مانتے۔ اسی طرح وہ بڑے بڑے اُمور کی تدبیر میں بھی کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے امور فرشتوں کے حوالے کر رکھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اسی طرح اہلِ جاہلیت کے مسلّمہ اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ عالمِ بالا میں ایک ایسا مقام ہے جہاں وقتاً فوقتاً معاملات کا فیصلہ ہوتا ہے اور وہاں مقرب فرشتوں اور اصحابِ فضیلت آدمیوں کی دعائیں کسی نہ کسی حد تک موثر ہوتی ہیں لیکن اُن کے نزدیک اس کی صورت ایسی تھی جیسے بادشاہوں کے ہاں اُن کے مصاحبین کی سفارش کی ہوتی ہے۔

اُن کے مسلّمہ اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلّف بناتا ہے، اس نے بعض چیزوں کو حلال قرار دیا اور بعض کو حرام نیز یہ کہ وہ اچھے اور بُرے کاموں کا بدلہ دیتا ہے۔ اچھے کاموں کا اچھا اور بُرے کاموں کا بُرا، اور یہ کہ اللہ کے مقرب فرشتے ہیں اور وہ بڑے درجے والے ہیں، وہ اللہ کے حکم سے اس عالم کی تدبیر میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے۔ نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بزرگ انسانوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور اُن کو بشارتیں دیتے ہیں اور ڈراتے بھی ہیں۔

اہلِ جاہلیت کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی طرف انھیں میں سے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جس پر وحی نازل کرتا ہے اور اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اس شخص کی اطاعت فرض قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی اطاعت کیے بغیر لوگوں کے لیے کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ایامِ جاہلیت کے اشعار میں ملاءِ اعلیٰ اور حاملینِ عرش کا ذکر بکثرت موجود ہے ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ یہ اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن سے تمھیں معلوم ہوگا کہ مشرکین اگرچہ راہِ مستقیم سے

دُور ہٹ گئے تھے لیکن اُن کے پاس اُن کے علوم کا بقیہ اس قدر ضرور موجود تھا کہ اُس سے اُن پر حجت قائم کی جا سکتی تھی ۔۔۔۔۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل جاہلیت مختلف طریقوں سے عبادات کرتے تھے ۔ حج بیت اللہ، شعائر حج اور حُرمت والے مہینوں کی تعظیم تو اُن میں ایسے مشہور اُمور ہیں، جو کسی پر مخفی نہیں۔ اُن کے ہاں مختلف قسم کے منتر اور تعویذ بھی رائج تھے، جن کے اندر انھوں نے شرک داخل کر دیا تھا ۔۔۔۔ بعد میں اُن میں کہانت، تیروں سے آنے والے حالات کا اندازہ کرنا اور بدشگونی لینا جیسی چیزیں رواج پا گئی تھیں لیکن وہ لوگ یہ بھی اچھی طرح سے جانتے تھے کہ یہ چیزیں اصل ملّتِ ابراہیمی میں داخل نہیں ہیں ۔۔۔۔۔

ان حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ۔ قوم کے پاس جو کچھ موجود تھا، اس پر آپؐ نے غور و خوض فرمایا جو اُمور ملّتِ ابراہیمیہ کا صحیح بقیہ تھے، انھیں باقی رکھا اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی ۔ عبادات منضبط کیں ۔ اُن کے اسباب، اوقات اور آداب مقرر کیے، گناہوں کی روک تھام کے لیے حدود متعین کیں اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ دین کو اُن کے لیے آسان کیا ۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

بعثت بالملۃ السمحۃ الحنیفیۃ البیضاء ۔ مجھے ایک آسان، سیدھی اور روشن ملّت دے کر بھیجا گیا ہے ۔

"السمحۃ" سے مراد ایسی عبادات و طاعات ہیں جن میں سختی نہ ہو جیسے اہل کتاب کے راہبوں نے رائج کر رکھی ہیں۔ بلکہ اس ملّت میں ہر عذر کے لیے رخصت موجود ہے جس کی وجہ سے قوی، ضعیف، مصروف کار اور فارغ الاوقات سب عمل کر سکتے ہیں ۔

"الحنیفیہ" سے مراد جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت ہے جس میں شعائرِ الٰہی کو قائم کرنے، شعائرِ شرک کو دبانے اور تحریف اور بُری رسموں کے ابطال کا حکم ہے ۔

"البیضا" سے مراد اس ملّت کی وہ علل، حکمتیں اور مقاصد ہیں، جن پر اس ملّت کی بنیاد ہے اور یہ بالکل واضح ہیں جو شخص کہ سلیم العقل ہے اور ہٹ دھرم نہیں، وہ اگر ان پر غور و تامل کرے تو اُسے ان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا ۔